© rasailojaraid.com

بھاکا) کی شاعری سے واقف ہو گیا۔ ۹۹۶ ہجری میں جو اکبر کے تخت نشینی کا ۳۴ واں سال تھا۔ فیضی کو "ملک الشعراء" کا خطاب عطا کیا گیا۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ یہ شاعرانہ اعزاز بخشے جانے سے دو تین روز قبل فیضی نے ذیل کا ایک قصیدہ تحریر کیا تھا۔ ع

آن روز کہ فیض عام کر دند | ما را ملک الکلام کر دند
از بہر صعود فکرت من | آرائش ہفت بام کر دند
ما را بہ تمام در ربودند | تا کار سخن تمام کر دند

اس قصیدہ میں فیضی اپنے ساتھ بادشاہ کے نیک سلوک اور فیاضی کا ذکر کرتے ہوئے اپنی نیک بختی اور بلند مرتبہ کا بھی تذکرہ کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس گردش ایام کا بھی حوالہ دیتا ہے جس نے اسے مدتوں دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا اور بالآخر تخت شاہی کا ہم نشیں بنا دیا۔

ملک الشعراء کا خطاب پانے کے بعد اب فیضی میں وہ پہلی سی خودداری باقی نہ تھی۔ وہ اب بادشاہ کا اور بادشاہ اس کا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ بادشاہ کے ہر حکم کا تابع اور اس کی مرضی وخواہش کا آئینہ دار تھا۔ اسے مختلف مہمات پر بھیجا جانے لگا اور اکثر وبیشتر بادشاہ کے رفیق سفر رہا۔ ۹۹۳ ہجری میں جب اکبر نے پٹھانوں کی سرکوبی کے لئے فوجیں روانہ کیں تو فیضی کو بھی اس مہم پر روانہ کیا گیا۔ اسی طرح ۹۹۷ ہجری میں کشمیر کے سفر پر بھی اکبر کے ہمراہ تھا۔ بادشاہ کی خواہش پر فیضی کو امور سفارت بھی انجام دینے پڑے۔ نیز رفاہ عامہ اور دیگر انتظامی امور کی نگرانی بھی اسے کرنی پڑی۔ وہ گرچہ شاعر اور حکیم تھا اور ملکی معاملات میں اسے کوئی تجربہ بھی نہ تھا پھر بھی جو خدمت بادشاہ اسے سپرد کرتا وہ نہ صرف یہ کہ اسے قبول کر لیتا بلکہ ایک ذمہ دار کی حیثیت سے اپنا فرض بھی بحسن وخوبی انجام دیتا تھا۔ ایک برس آٹھ مہینہ چودہ دن اطراف میں رہ کر اور مختلف مقامات پر سفارتی امور انجام دیکر ۱۰۰۱ ہجری میں وہ راجدھانی آیا۔ ۱۰۰۳ ہجری میں اکبر نے فیضی سے نظامی کے خمسہ کا جواب لکھنے کی خواہش کی۔ چنانچہ فیضی نے چار مہینے میں چار ہزار اشعار پر مشتمل اپنی مقبول ومعروف مثنوی نلدمن لکھ کر اکبر کی خواہش کی تکمیل کی۔ نلدمن سے متعلق فیضی کہتا ہے۔ ع

این چار ہزار گوہر ناب | کانگیختہ ام بہ آتشیں آب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی چار ہزار اشعار پر مشتمل مثنوی لکھنا میرے لئے پانی میں آگ لگانے کے مترادف ایک سخت جان کام تھا۔

بدایونی اس مثنوی کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں۔

"والحق مثنوی ست کہ دریں صد سال مثل آں بعد از امیر خسرو و شاید در ہند کسی دیگر گفتہ باشد۔"

بدایونی کہنا چاہتے ہیں کہ امیر خسرو کے بعد ہندوستان میں سو سال کے عرصے میں شاید ایسی مثنوی لکھنے والا کوئی پیدا ہوا ہو۔ دیکھا جائے تو ملا عبدالقادر بدایونی اور شبلی نعمانی اپنے اپنے دور کے مستند مورخ تسلیم کئے جاتے ہیں لہذا فیضی کی شاعری سے متعلق ان دونوں بزرگوں نے جو رائے قائم کی ہے وہ حق بجانب ہے۔

فیضی دربار شاہی سے منسلک رہ کر مختلف سرکاری امور کی انجام دہی کے علاوہ علمی وادبی خدمات بھی انجام دیتا رہا۔ وہ دربار اکبری کی علمی انجمن کا ایسا آفتاب اور ماہتاب تھا جس کی کرنوں سے عہد اکبری کا ذرہ ذرہ جگمگا اٹھا۔ اس کا اصلی مذاق علم وفن کی خدمت تھی۔ وہ کتابوں کا اس قدر دلدادہ تھا کہ کہا جاتا ہے کہ اس کی نجی لائبریری میں طب ونجوم، موسیقی وحکمت، تصوف، ہیئت وہندسہ، تفسیر وحدیث اور فقہ وغیرہ مختلف علوم وفنون پر مشتمل چار ہزار سے زائد کتابیں تھیں جن میں سے اکثر اس کے اپنے قلمی نسخے تھے۔ اس کی علمی وادبی تصانیف میں ایک سو سے زائد کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان میں مشہور ترین خمسہ ہے جو نظامی کی پانچوں مثنویوں کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ یہ خمسہ پانچ کتب مثنوی پر مشتمل ہے جن میں مرکز ادوار اور نلدمن مکمل اور دستیاب ہیں۔ بقیہ سلیمان وبلقیس، ہفت کشور اور اکبر نامہ نایاب ہیں۔ موارد الکلم کے عنوان سے تفسیر قرآن بھی فیضی کی شاہکار تصنیف ہے جو بلاد عرب میں کافی مقبول ومعروف ہوئی۔ ایک دوسری تفسیر قرآن سواطع الالہام (تفسیر غیر منقوط) کے نام سے فیضی نے لکھی جس پر اسے بڑا فخر تھا اس تفسیر کے متعلق وہ رقمطراز ہے۔

"در عاشر ربیع الثانی ۱۰۰۲ھ اثنین والف کہ سال حال است تمام شد۔ ایں عطیہ غیبی مخصوص فقیر بود، غرائبش زیادہ ازان ست کہ حیرت افزائے این فن نہ گردد۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان قرآنی خدمات کے علاوہ بھگوت گیتا اور فن ریاضی سے متعلق لیلاوتی کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ بھی اس نے کیا۔ جو ''بدائع الفنون'' کے نام سے موسوم ہے۔ فیضی نے جو بہت بڑا انشا پرداز بھی تھا اپنی انشا پردازی کے جوہر کو بے شمار خطوط اور واقعات کے نمونے میں آشکارا کر دیا ہے۔ ان خطوط میں اس نے اپنے خطیبانہ شان سے بادشاہ، امراء، شیوخ، علماء صوفیاء، ہم عصر اطباء، والدین، برادران اور اعزہ و اقارب کو مخاطب کیا ہے۔ ان خطوط سے عہد اکبری کے تمدن، تہذیب، معاشرت، آداب و رسوم اور ہر قسم کے احوال و کوائف بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے مہابھارت کا بھی سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ ۹ ہزار اشعار پر مشتمل فیضی کا دیوان غزلیات بھی ہے جو ''طباشیر الصبح'' سے موسوم ہے۔ حمد و نعت، مدح، فخر، تصوف اور اخلاق وغیرہ مضامین پر قصائد کا مختصر مجموعہ بھی ہے۔ اس نے تاریخی مثنویاں بھی لکھنے کی کوشش کی اور ''مثنوی فتح گجرات'' میں اکبر کی گجرات مہم سے متعلق مختصر کارناموں کا تذکرہ کیا۔ وہ فطرتاً شاعر تھا اور طفلگی ہی سے شعر کہتا تھا۔ اس نے قصیدہ، مثنوی، غزل ہر صنف شاعری میں طبع آزمائی کی لیکن مثنوی اور غزل میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس کی زبان بہت سادہ مگر خیالات میں بڑی بلندی اور معنی آفرینی تھی۔ جوش بیان، استعارات و تشبیہات کی ندرت اور فلسفیانہ افکار کا زور اس کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ ان تمام اوصاف و خصوصیات سے متصف ذیل میں اس کی ایک غزل ملاحظہ فرمائیں۔ ع

ایام بہار آمد و صہبا مزہ دارد
صہبا ز کف ساقی زیبا مزہ دارد
در مذہب ارباب خرد بادہ پرستی
ہر چند حرام آمدہ اما مزہ دارد
نزدیک تو از بیم کسان گر نتوان رفت
از دور بروی تو تماشا مزہ دارد
پیش من سودا زدہ از شہر مگوئید
مجنون رہ عشقم و صحرا مزہ دارد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

از سرو چہ خیزد ز صنوبر چہ کشاید
نظارۂ آن قامت بالا مزہ دارد

دربار اکبری کا یہ ملک الشعراء جیسے بجا طور پر یہ خطاب حاصل تھا اسے اکبر کی دور اندیشی اور حقیقی انصاف کے تقاضے سے عبارت کرنا زیادہ موزوں ہوگا کیونکہ اس دور میں فیضی کے علاوہ نہ تو کوئی اس لائق تھا جسے یہ اعزاز دیا جاتا اور نہ بادشاہ کی نگاہ فراست ہی نے فیضی کے سوا کسی اور کو لائق اعتنا سمجھا۔ بالآخر یہ فخر زماں دمہ کے عارضہ میں مبتلا ہو کر ۵۰ سالہ زندگی کا سفر طے کرنے کے بعد ۱۰۰۴ھ میں فوت کر گیا۔

کتابیات

۱۔ ملا عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ

۲۔ علامہ شبلی نعمانی: شعر العجم

۳۔ رضازادہ شفق: تاریخ ادبیات ایران

۴۔ INDO-IRANICA, VOL 38 NOS 3و4, 1985
IRAN SOCIETY CAL CUTTA

☆☆☆

جامعہ عربیہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ میں تعزیتی جلسہ

حکیم محمد اسلام صاحب کی اہلیہ کا انتقال مورخہ ۸ر مارچ ۲۰۰۰ء کو ہوا اس تعزیتی جلسے میں مولانا محمد سالم صاحب و دیگر حضرات نے تقریر کی۔ جس میں شہر کی مشہور و معروف حضرات نے شرکت کی۔

جامعہ عربیہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ ایک تعزیتی جلسہ زیر صدارت حکیم محمد اسلام ہوا۔

مورخہ ۲۷ر فروری ۲۰۰۰ء بروز اتوار حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوریؒ کی وفات پر تعزیتی جلسہ کیا گیا جس میں شہر کی مشہور و معروف شخصیات نے شرکت فرمائی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر عنوان چشتی اور ان کی ادبی خدمات

آزاد اور سیکولر ہندوستان میں اُردو زبان کے ساتھ جس طرح ناروا سلوک کیا گیا اور ہر سیاسی جماعت (چاہے وہ کانگریس ہو یا جن سنگھ، ہندو مہا سبھا یا کوئی دیگر فرقہ پرست پارٹی) سے وابستہ چھوٹے بڑے لیڈر نے غریب اُردو زبان پر جس طرح حملے کیے اور اسے تقسیم ملک کا ذمہ دار گردانتے ہوئے بعض فرقہ پرست عناصر نے تو اسے غیر ملکی زبان تک کہنے میں کوئی شرم محسوس نہ کی، اس کے پیش نظر اُردو زبان کے دفاع، اس کے لیے جدو جہد اُردو کو اس کا جائز حق دلانے کے ارادے سے لنگر لنگوٹ کس کر میدان عمل میں مستعد عمل ہو جانا ایک بہت بڑے مجاہدہ سے کم نہیں ہے۔ بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے لیے اُردو زبان کی ترقی و ترویج کے لیے آزاد ہندوستان میں بڑا موقع تھا مگر وہ اُردو کو اس کے خستہ حال پر چھوڑ کر پاکستان جا بسے ایسے میں بیگم حمیدہ سلطانہ، مالک رام، سردار دیوان سنگھ مفتون، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، پنڈت تلوک چند محروم، حیات اللہ انصاری، جوش ملسیانی وغیرہ نے اُردو کے لیے ہر راہ پر کانٹے بکھرے ہونے کے باوجود ہر نامساعد حالات میں بھی اُردو زبان کی مشعل کو مضبوطی سے تھامے رکھا اُردو کے لیے ہواؤں کے رخ کو بدلتے ہوئے اردو کی شمع کو روشن رکھا۔ ان ہی کی مساعی جمیلہ نے اُردو زبان کے لیے ناموافق حالات کو ایک حد تک موافق فضا اور سازگار حالات میں تبدیل کیا۔ آج اُردو کی ترقی و اشاعت کے لیے ہندوستان کی مرکزی اور صوبائی سرکاروں کے تعاون سے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اُردو اکیڈمیاں اپنا کام کر رہی ہیں۔ ہندوستان کی راجدھانی اور بہار میں اردو زبان کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ جن ادیبوں، صحافیوں، قلمکاروں اور قائدین نے اُردو زبان کے لیے آزاد ہندوستان میں جس طرح کام کیا ہے اسے بھلایا نہیں جا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر عنوان چشتی کا نام اُردو دنیا اور ادبی حلقوں میں خوب معلوم و معروف ہے کیونکہ انہوں نے جب اپنے شعور کی آنکھیں کھولی ہیں تو اس وقت اُردو کسمپرسی کے عالم میں تھی۔ اُردو زبان کا مستقبل نا معلوم تھا۔ ایسے میں اُردو زبان سے اپنے کو وہ ہی وابستہ کرنا چاہیے گا جس کے دل میں اُردو کے لیے کچھ کر گذرنے کی تڑپ ہو گی، جو اُردو کا مخلص ہو گا اُردو کا شیدائی ہو گا، اُردو کا دیوانہ وار عاشق ہو گا۔ چنانچہ پروفیسر عنوان چشتی نے اُردو زبان ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، علمی صلاحیتیں اور تعلیمی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد انہوں نے ہر معاندانہ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اُردو زبان و اُردو ادب کی وہ عظیم الشان خدمات انجام دے ڈالی ہیں جنہیں اُردو زبان وادب کی تاریخ میں جلی عنوان کے ساتھ جگہ ملے گی۔ ایسا ہمارا یقین ہے کیونکہ پروفیسر عنوان چشتی کی علمی وادبی کاوشوں سے لا تعداد تشنگان علم وادب سیراب ہو چکے ہیں۔ ان کی ادبی خدمات کی فہرست خاصی طویل ہے لیکن طوالت سے بچتے ہوئے ہم یہاں ان کی کچھ چنیدہ ادبی تصانیف اور ان کی شخصیت اور کتابوں پر اُردو کے جانے مانے ادیبوں کی نگارشات پر یہاں روشنی ڈالتے ہیں۔

☆(۱) نام کتاب: اصلاح نامہ

مصنف: جناب پروفیسر عنوان چشتی

قیمت: عام ایڈیشن ایک سو روپے ڈی لکس ایڈیشن ایک سو پچاس روپے

پروفیسر عنوان چشتی کی یہ کتاب خانقاہ پبلی کیشنز، غفار منزل، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع ہوئی ہے۔ کتابِ مذکورہ بنیادی طور پر اصلاح سخن کے فن پر ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت کے بارے میں خود پروفیسر عنوان چشتی کے الفاظ میں: "اس کتاب میں میرے بعض شاگردوں کا تذکرہ ان کے کلام پر میری اصلاحیں اور ان کی توجیہیں ضرور شامل ہیں۔ مگر بنیادی طور پر کتاب اصلاحِ سخن کے فن پر ہے ممکن ہے بعض "حاسدان روسیاہ" شاگردوں کا تذکرہ دیکھ کر مجھ پر خود ستائی کا الزام لگائیں یا ذاتیات پر حملہ کرنے پر اُتر آئیں ایسے کور باطنوں کو اپنا دور ہی سے سلام۔"

© rasailojaraid.com